حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیّت

ملک غلام علی صاحب

(۹)

بحثِ سابق میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین میں سے کسی بزرگ نے بھی اپنے کسی عزیز یا قرابت دار کے حق میں جانشینی کی تجویز امّت کے لیے پیش نہیں فرمائی۔ یہ بات بھی صاف کی جا چکی ہے کہ عبادات و تقربات، یا پھر وہ معاملات جو مشروع طریق پر سرانجام پائیں، ان میں تو نیت کے وجود و فقدان اور نیّت کی صحت و عدمِ صحت کا مسئلہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے، لیکن جو امور تعبدّی نہیں ہیں اور جن کا مشروع و مسنون ہونا ثابت نہیں، ان میں نیت کے غلط یا صحیح ہونے سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔ ان میں خواہ صحیح جذبہ یا نیت کارفرما ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ ذاتی مفاد کے لیے ہوں یا قومی مفاد کے لیے، ان سے اختلاف کرنے یا انہیں غلط قرار دینے کا حق کسی طرح سلب نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح کے افعال پر امّت کے علماء و صلحاء ہمیشہ گرفت کرتے چلے آئے ہیں اور ضمناً ان کے جذبات و محرّکات بھی زیرِ بحث آتے رہے ہیں۔ اس چیز کو نیت پر حملہ یا سوئے ظن کا نام دے کر اسے مذموم یا ممنوع قرار دینا درست نہیں۔ نیت پر حملہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کسی عبادت یا نیکی کے کام کو بھی بلا وجہ بُری نیت پر مبنی سمجھ لیا جائے، ورنہ غلط کام بہرحال غلط ہے قطع نظر اس سے کہ وہ اچھے جذبے یا اچھی نیت سے کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

یزید کی ولی عہدی کے متعلق عثمانی صاحب کا بدلتا ہوا موقف | اب یزید کی ولی عہدی کے متعلق مُدیر البلاغ فرماتے ہیں کہ "جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا رائے، تدبیر اور نتائج کے اعتبار سے صحیح تھا یا غلط، اس میں ہمیں مولانا مودودی صاحب سے اختلاف نہیں ہے۔ جمہور امّت کے محقق علماء

ہمیشہ یہ کہتے آتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل رائے اور تدبیر کے درجے میں نفس الامری طور پر درست ثابت نہیں ہوا اور اس کی وجہ سے امت کے اجتماعی مصالح کو نقصان پہنچا"۔ جہاں اتنی بات تو ان کے نزدیک بھی مسلّم ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یہ فعل رائے، تدبیر اور نتائج کے اعتبار سے صحیح نہ تھا اور امت کے اجتماعی مفادات کے منافی تھا۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ "مولانا سے ہمارا اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ مولانا نے اس اقدام کو محض رائے اور تدبیر کے اعتبار سے غلط قرار دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ براہِ راست حضرت معاویہؓ کی نیت پر تہمت لگا کر اس بات پر اصرار فرمایا ہے کہ ان کے پیشِ نظر بس اپنا ذاتی مفاد تھا اور اس پر انہوں نے پوری امت کو قربان کر دیا"۔ مدیر موصوف کے اس دوسرے معارضے کا جواب میں اب تک کی بحث میں دے چکا ہوں۔ میرے لیے دوبارہ بس اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اگرچہ مولانا نے نیت پر تہمت نہیں لگائی لیکن یہ امر جب تسلیم شدہ ہے کہ امیر معاویہؓ کا فعل رائے، تدبیر اور نتائج تینوں لحاظ سے غلط تھا اور مصالح اجتماعیہ کے حق میں نقصان رساں ثابت ہوا تو پھر جذبے یا نیت کے صحیح ہونے نہ ہونے یا ذاتی مفاد پر مبنی ہونے نہ ہونے سے عملاً کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ پھر مولانا مودودی نے جو بات کہی تھی وہ دراصل یہ تھی کہ "انہوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں"۔ ان الفاظ کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے جانتے بوجھتے امت کو اپنے ذاتی مفاد پر قربان کر دیا، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ اس فعل کے نتیجے میں امت خلافت کے بجائے ملوکیت و آمریت اور نسلی بادشاہت کی راہ پر پڑ گئی اور یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں ہے۔ کیا آپ خود جمہور محققین کا قول یہی بیان نہیں فرما رہے کہ یہ فعل درست نہ تھا بلکہ نقصان دہ ثابت ہوا؟

اس کے بعد عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "ہماری آئندہ گفتگو کا حاصل یہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یہ اقدام واقعے کے اعتبار سے سو فی صد درست اور نفس الامر میں بالکل صحیح تھا یا انہوں نے جو کچھ کیا وہ بالکل ٹھیک کیا"۔ ان الفاظ سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا عثمانی نے اپنے سابق موقف میں ترمیم کر کے اب یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ اقدام صد فی صد درست یا بالکل ٹھیک نہیں، حالانکہ وہ پہلے اسے بلا تخصیص اور

علی الاطلاق نادرست قرار دے چکے ہیں، بلکہ جمہور ملت کا مسلک بھی بتا چکے ہیں۔

پھر آگے چل کر انہوں نے جو بحث کی ہے، اس میں وہ اس فی صد والے موقف سے بھی تبدریج دور ہٹتے چلے گئے ہیں، حتیٰ کہ آخر میں فرماتے ہیں کہ "اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیانت داری سے یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے، تو اُسے ولی عہد بنا دینا شرعی اعتبار سے بالکل جائز تھا" مزید فرماتے ہیں کہ "یزید کی جو کروہ تصویر ذہنوں میں بسی ہوتی ہے، اس کی بنیادی وجہ کربلا کا حادثہ ہے۔ لیکن جس وقت اُسے ولی عہد بنایا جا رہا تھا، اس وقت یزید کی شہرت چھوٹوں کو بھی اس حیثیت سے نہیں تھی جیسی آج ہے۔ اُس وقت تو وہ ایک صحابی اور ایک خلیفۂ وقت کا صاحبزادہ تھا۔ اس کے ظاہری حالات، صوم وصلوٰۃ کی پابندی، اس کی دنیوی نجابت اور اس کی انتظامی صلاحیت کی بنا پر یہ رائے قائم کرنے کی پوری گنجائش تھی کہ وہ خلافت کا اہل تھا۔"

ولی عہدی کا جواز و عدم جواز یزید کے فضائل و مناقب بالتفصیل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مدیر البلاغ نے ولی عہد بنانے کی شرعی حیثیت پر بھی بحث کی ہے جس کے ضروری اجزاء اہمیت کے پیش نظر اب میں نقل کرتا ہوں اور ان کے متعلق اپنے معروضات بھی پیش کرتا ہوں۔ مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "اس بات پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ خلیفۂ وقت اگر کسی شخص میں نیک نیتی کے ساتھ شرائطِ خلافت پاتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو ولی عہد بنا دے، خواہ وہ اس کا باپ، بیٹا یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ازالۃ الخفا جلد اوّل ص۵۔"

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مسلک عثمانی صاحب کے اس حوالے کے بعد ازالۃ الخفاء سے میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی متعلقہ بحث درج کرتا ہوں۔ شاہ صاحبؒ نے پہلے تو دس "شروطِ خلافت" بیان کی ہیں جو انعقادِ خلافت کے لیے ضروری ہیں، مثلاً خلیفہ کا مسلمان، عاقل، بالغ ہونا وغیرہ۔ انہی میں آٹھویں شرط انہوں نے عدالت بیان فرمائی ہے اور اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

مجتنب از کبائر، غیر مُصر بر صغائر و صاحبِ مروت باشد، نہ ہرزہ گرد و خلیع العذار۔	کبیرہ گناہوں سے بچنے والا اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والا نہ ہو۔ ذی مروّت ہو نہ کہ ہرزہ گرد اور وارستہ مزاج۔

پھر فرماتے ہیں کہ "جب یہ سب شرطیں کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ مستحقِ خلافت سمجھا جائے گا اور اگر لوگ اُسے خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، تو وہ خلیفۂ راشد ہوگا۔ مزید لکھتے ہیں:

وغیر مستجمع ایں شروط را اگر خلیفہ سازند، ساعیانِ خلافتِ او عاصی گردند لیکن اگر تسلط یابد حکم او فیما وافق الشرع نافذ باشد برائے ضرورت کہ برداشتن او از مسندِ خلافت اختلاف امت پیدا کند و ہرج و مرج پدید آرد۔

اور اگر لوگ کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں جس میں یہ تمام شرائط جمع نہ ہوں تو اس کی خلافت کے بانی گنہ گار ہوں گے لیکن اگر وہ تسلط پائے تو اس کا حکم جو موافقِ شرع ہو، نافذ ہوگا ضرورت کی بنا پر۔ کیونکہ (تسلط کے بعد) اُسے مسندِ خلافت سے اتارنا اختلافِ امت کا باعث ہوتا ہے اور انتشار اور بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب انعقادِ خلافت کے چار طریقے بیان فرماتے ہیں۔ پہلا طریقہ ان کے نزدیک اہلِ حل و عقد کا انتخاب ہے، یعنی مملکت کے عالم، قاضی اور نامور لوگ بیعت کریں۔ اس سلسلے میں وہ حضرت عمرؓ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جس نے مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر بیعت کی اور جس نے لی، ان کی کوئی بیعت نہیں بلکہ وہ دونوں سزاوارِ قتل ہیں۔" حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پہلے طریق پر منعقد ہوئی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خلیفہ کسی شخص کو مسلمانوں کی خیر خواہی کو سامنے رکھ کر بطور جانشین تجویز کر دے جو شروطِ خلافت کا جامع ہو اور لوگوں کو جمع کرنے کے بعد ان کے سامنے اس کا اعلان کر دے۔ حضرت عمرؓ فاروق کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی۔ تیسرا طریقہ مجلسِ شوریٰ کا قیام ہے اور وہ یوں ہے کہ خلیفہ ایک ایسی جماعت میں امرِ خلافت دائر کر دے جس جماعت کے سب ارکان شروطِ خلافت پر پورے اُترتے ہوں۔ یہ مجلسِ شوریٰ خلیفہ کی وفات کے بعد مشورہ کرے اور ایک شخص کو خلیفہ معیّن کرلے۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورین کا انتخاب اسی طریق پر ہوا۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد اس مجلس کا اجلاس ہوا اور خلیفۂ ثالث نامزد ہوئے۔

انتخاب خلیفہ کے یہ تین طریقے جو خلفائے راشدین کے عہد میں اختیار کیے گئے، انہیں بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک چوتھا طریقہ حصولِ خلافت کا "استیلاء" (یعنی زبردستی غلبہ و تسلط حاصل کرلینا) ہے۔ اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں:

چوں خلیفہ بمیرد، شخصے متصدی خلافت گردد و بغیر بیعت و استخلاف ہمہ را برخود جمع سازد بائتلاف قلوب یا بقہر و نصب قتال خلیفہ شود و لازم گردد بر مردماں اتباع فرمان او در آنچہ موافق شرع باشد۔ و ایں دو نوع ست۔ یکے آنکہ مستولی متجمع شروط باشد و صرف منازعین کند بصلح و تدبیر از غیر ارتکاب محرمے و ایں قسم جائز است و رخصت و انعقاد خلافت معاویہ ابن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ و بعد صلح امام حسن ہمیں نوع بود۔ دیگر آنکہ متجمع شروط نباشد و صرف منازعین کند بقتال و ارتکاب محرم و آں جائز نیست و فاعل آں عاصی است لیکن واجب است قبول احکام او چوں موافق شرع باشد۔۔۔ و ایں انعقاد بنا بر ضرورت است۔

جب خلیفہ فوت ہو جائے تو کوئی شخص خلافت پر قابو یافتہ ہو جاتے اور بیعت و استخلاف کے بغیر عوام کو تالیف قلب سے یا بزور شمشیر لوگوں کو اپنا ہمنوا بنائے یہ شخص خلیفہ بن جائے گا اور اس کے موافق شرع احکام کی پیروی لوگوں پر لازم ہو جائے گی۔ اس استیلائی خلافت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ قوت سے غلبہ پانے والے کے اندر خلافت کی تمام شرطیں پائی جائیں اور وہ صلح و تدبیر کے ذریعے سے کسی ناجائز امر شرعی کا ارتکاب کیے بغیر مدعیان خلافت کو راستے سے ہٹا دے۔ یہ صورت بھی بطور رخصت و ضرورت جائز ہے۔ اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کی وفات اور امام حسنؓ کی صلح کے بعد معاویہؓ کی خلافت کا انعقاد اسی قسم کا تھا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ شخص متغلب کے اندر شرائط خلافت جمع نہ ہوں اور وہ قتال اور ارتکاب حرام کے ذریعے سے مخالفین کا دفعیہ کرے اور یہ صورت جائز نہیں ہے اور اس کا فاعل گنہ گار ہے۔ لیکن اس کے موافق شرع احکام کی تعمیل بھی واجب ہے اور انعقاد خلافت کی اس شکل کا جواز بھی بربنائے ضرورت ہے۔

استیلائی یا متغلبانہ خلافت کی دوسری قسم جو شاہ صاحب نے آخر میں بیان کی ہے، اس کے متعلق وہ بعد میں فرماتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان اور اول خلفاء بنی عباس کا انعقاد خلافت اسی قسم کا تھا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق شاہ صاحب نے دو قول نقل کیے ہیں۔ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ مہاجرین و انصار مدینہ کے بیعت کر لینے سے حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہوئی تھی اور حضرت علیؓ نے جو خطوط اہل شام کو طلب بیعت کے سلسلے میں لکھے تھے، وہ اس پر شاہد ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خلافت علیؓ کا انعقاد بذریعۂ شوریٰ اسی وقت ہو گیا تھا جبکہ

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ان کا نام حضرت عثمانؓ کے ساتھ تجویز ہوا تھا، لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

اب شاہ ولی اللہ صاحب کی اس بحث میں جو امر قابلِ ملاحظہ ہے، وہ یہ کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے لے کر، امیر معاویہؓ، عبدالملک، بنو عباس وغیرہ سب کا ذکر ان چار طریقہ ہائے انعقادِ خلافت کے تحت کر دیا ہے مگر یزید کی ولایتِ عہد یا خلافت کا ذکر انہوں نے بالکل نہیں فرمایا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ لیا جا سکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے انتقال یا ایامِ مرض سے بہت پہلے جس طرح اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا اور اس کے لیے بیعت لی، یہ کارروائی بالکل ناجائز تھی اور خلافتِ یزید کے انعقاد کے لیے کوئی صحیح اور جائز بنیاد نہیں بن سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے ولی عہدی کی بیعت سے انکار فرمایا اور حضرت عبداللہؓ ابن عمر جیسے محتاط، متقی اور مصالحت پسند بزرگ نے بھی یہ کہہ دیا کہ میں بیک وقت دو بیعتوں کا قلادہ اپنی گردن میں نہیں ڈال سکتا بلکہ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب ولید (گورنر مدینہ) نے اصرار کیا تو آپ برابر ٹالتے رہے اور کہتے رہے کہ جب دوسرے سب لوگ یزید کی بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ تاہم اگر مدیرؒ "البلاغ" یا کوئی دوسرے ان کے ہم خیال یہ کہیں کہ ولایتِ عہد کے لیے بیعتِ عام حاصل کر کے لوگوں کو اس عہد کا پابند بنانا صحیح ہے اور یہ انعقادِ خلافت کے حق میں ایک جائز دلیل و بنیاد بن سکتی ہے، تب بھی یزید کے حق میں ولایتِ عہد کی کارروائی شاہ صاحب کے بیان کردہ چوتھے طریقے، یعنی خلافت بذریعہ تغلب و استیلاء ہی کے تحت آ سکتی ہے، کیونکہ خود حضرت معاویہؓ کی خلافت کو بھی شاہ صاحب اسی چوتھے طریق کا حاصل قرار دے رہے ہیں اور اسے محض ضرورت و رخصت کی بنا پر جائز کہہ رہے ہیں۔ پھر انعقادِ خلافت کے اس آخری طریق کی بھی انہوں نے دو قسمیں بیان کی ہیں جن میں دوسری یہ ہے کہ جو شخص زبردستی خلافت پر قابض ہو رہا ہے، اس میں جملہ شرائطِ خلافت موجود نہ ہوں اور وہ بذریعہ قتال منازعین کا صفایا کر دے۔ یہ صورت شاہ صاحبؒ کے نزدیک ناجائز اور اس کا فاعل عاصی ہے۔ اب اس کے بعد قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ شاہ صاحب کی یہ بحث کس حد تک یزید کی ولایتِ عہد کی تائید و تصویب کرتی ہے اور اُسے انعقادِ خلافت کا جائز و مستحسن طریقہ قرار دیتی ہے۔ کیا شاہ صاحب کی مراد یہ ہو سکتی ہے کہ خلفائے راشدین جس طرح منتخب ہوئے اور بنو امیہ و بنو عباس جس طرح سریرِ خلافت پر مستولی و متسلط ہوئے، یہ

سب طریقے یکساں طور پر معیاری یا پسندیدہ تھے؟ میں نہیں سمجھ سکا کہ مولانا عثمانی صاحب نے ازالۃ الخفاء کے اس مقام کا حوالہ کس مناسبت سے دیا ہے۔

امام ماوردی کا مسلک دوسرا حوالہ مولانا عثمانی صاحب نے الاحکام السلطانیہ للماوردی ص۸ کا دیا ہے۔ اس مقام پر امام ماوردی نے شروع میں بلاشبہ یہ رائے ظاہر کی ہے ایک خلیفہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا جانشین تجویز کر دے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو کر دیا تھا اور مسلمانوں نے اسے تسلیم کر لیا تھا، لیکن یہ ایک اصولی اور تمہیدی بات ہے جو انہوں نے کہی ہے۔ اس سے آگے جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ درج ذیل ہے:

فاذا اراد الامام ان یعھد بھا فعلیہ ان یجھد رأیہ فی الاحق بھا والاقوم بشروطھا فاذا تعین له الاجتہاد فی واحد نظر فیه فان لم یکن ولداً ولا والداً جاز ان ینفرد بعقد البیعة له وبتفویض العھد الیه وان لم یستشر فیه احداً من اهل الاختیار۔

جب امام کا ارادہ یہ ہو کہ وہ ولی عہد مقرر کرے تو وہ پوری طرح غور و فکر کرے کہ کون شخص امامت کا سب سے زیادہ مستحق اور شرائطِ خلافت پر سب سے زیادہ پورا اُترنے والا ہے۔ اپنے ذہن و فہم کی پوری جدوجہد کے بعد جب اس کی رائے ایک شخص پر جم جائے تو دیکھے کہ وہ کون ہے۔ اگر وہ اس کا بیٹا یا والد نہ ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ تنہا اپنی مرضی سے اُسے ولی عہد بنائے خواہ اس نے انتخاب کنندگان سے مشورہ نہ لیا ہو۔

یہاں اوّلین امر جو قابلِ ملاحظہ ہے وہ یہ ہے کہ امام ماوردی کے نزدیک ولایتِ عہد کی تجویز صرف اس شخص کے حق میں ہو سکتی ہے جو خلافت کے لیے موزوں ترین فرد ہو اور جو شروطِ امامت کو سب سے زیادہ پورا کرنے والا ہو۔ یہ بات عثمانی صاحب نے بالکل غلط لکھی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور امام ماوردی کی جانب قطعاً غلط منسوب کی ہے کہ "اس پر اجماعِ امت منعقد ہو چکا ہے کہ خلیفۂ وقت اگر کسی میں نیک نیتی کے ساتھ شرائطِ خلافت پاتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو ولی عہد بنا دے، خواہ وہ اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔" ولی عہد میں محض شرائطِ خلافت کا پایا جانا کافی نہیں ہے (اگرچہ یزید ان کا بھی جامع نہ تھا)، بلکہ جانشینی کا حقدار بننے کے لیے امام ماوردی کے نزدیک یہ بھی لازم ہے کہ وہ شروطِ خلافت میں اَحق و اَقوم ہو۔ امام ماوردی یہ

شرائط (عدالت، علم اور اجتہاد وغیرہ) پہلے بیان کر چکے ہیں۔ نیز یہ بھی بتا چکے ہیں کہ انعقادِ خلافت کا اوّلین طریقہ "اختیار" یعنی انتخاب ہے۔

بہرکیف اس بات پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں کہ خلیفہ وقت اگر بیٹے یا کسی رشتہ دار میں شرائطِ خلافت پاتا ہے تو اسے ولی عہد بنا دے۔ خود امام ماوردی نے اس جگہ تین مسلک بیان کیے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جب تک خلیفہ اہل الاختیار (ELECTORS) سے مشورہ نہ کرلے اور وہ ولی عہد کو اہل نہ قرار دیں، اس وقت تک خلیفہ اپنے طور پر ولی عہد نہیں بنا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے خلیفہ کا کسی کو ولی عہد بنانا درحقیقت ولی عہد کے حق میں "تزکیہ" (TESTIMONY) یا دوسرے لفظوں میں شہادت (EVIDENCE) ہے اور یہ امت کے لیے ایک طرح حکم (فیصلہ) کا درجہ رکھتی ہے اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والد یا بیٹے کے حق میں شہادت دے یا ان دونوں کے حق میں کوئی فیصلہ دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹا دونوں ایک دوسرے کے حق میں ایک جبلّی میلان رکھتے ہیں اور ان کی باہمی ولایت عہد تہمت کا باعث ہے۔ دوسرا مسلک انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ بیٹے اور باپ کے لیے بھی ایک دوسرے کو ولی عہد بنانا جائز ہے، کیونکہ امیر کا امر امت پر نافذ ہے اور حکمِ منصب حکمِ نسب پر غالب ہے (لیکن اس مسلک کی کمزوری بالکل واضح ہے بیٹے کے لیے منصب تجویز کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو منصب کے لیے پیش کرنا اور دونوں میں موجبِ تہمت ہونے کے لحاظ سے فرق نہیں)۔ تیسرا مسلک امام ماوردی کے نزدیک یہ ہے کہ خلیفہ اپنی مرضی سے والد کو تو ولی عہد بنا سکتا ہے مگر بیٹے کو نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ انسان کا طبعی میلان والد کے بجائے اولاد کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور وہ بالعموم یہی چاہتا ہے کہ اپنا مال و منال بیٹے ہی کے لیے محفوظ کرلے۔

امام ماوردیؒ کی پوری بحث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کی تحقیق جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ انعقادِ خلافت کا اوّلین طریقہ انتخاب اور بیعتِ عام ہے۔ ولایتِ عہد کے لیے دو شرطیں لازم ہیں۔ پہلی یہ کہ خلیفہ وقت پوری امت پر نظر ڈالے اور جو شخص شروطِ خلافت کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہو اور اس کا سب سے زیادہ حقدار ہو، اس کو ولی عہد بنائے۔ دوسری شرط جو صرف بعض علماء نے نہیں بلکہ اکثریت نے لگائی ہے وہ یہ کہ بیٹے کے حق میں ولایتِ عہد اس وقت تک جائز نہیں جب تک اہلِ اختیار یا اہلِ شوریٰ سے مشورہ نہ لیا جائے اور وہ بھی یہ امر تسلیم نہ کرلیں کہ بیٹا شروط و صفاتِ امامت میں پوری امت پر فائق اور

خلافت کے لیے سب سے زیادہ مستحق ہے۔

قاضی ابو یعلیٰ کا مسلک اس کے بعد عثمانی صاحب نے قاضی ابو یعلیٰ کی الاحکام السلطانیہ ص۹ کی عبارت نقل کی ہے جس میں باپ اور بیٹے کی ولی عہدی کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ "خلیفہ کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو ولی عہد بنائے جو اس کے ساتھ باپ یا بیٹے کا رشتہ رکھتا ہو، بشرطیکہ وہ خلافت کی شرائط کا حامل ہو" مگر خلافت کی شرائط (صفات الائمہ) جسے ابو یعلیٰ نے ص۴ پر بیان کیا ہے، انہیں مدیرؔ "البلاغ" نے نقل نہیں کیا۔ ان میں قرشیت، عدالت وغیرہ کے ساتھ چوتھی صفت افضلھم فی العلم والدین ہے یعنی ولی عہد کو علم و دین میں امت کا افضل ترین شخص ہونا چاہیے۔ یہ وہی بات ہے جو الماوردی نے دوسرے الفاظ میں بیان کی ہے۔ معلوم نہیں دونوں مرتبہ یہ بات عثمانی صاحب سے نقل کرتے وقت کیسے چھوٹ گئی؟ اگر وہ اسے نیت پر حملہ نہ سمجھ بیٹھیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ غالباً یہ اس وجہ سے ہوا کہ یزید جیسے بیٹے کو الاحق بالامامۃ، الاقوم بشروطہا اور افضل فی العلم والدین تسلیم کر لینے میں شاید انہیں بھی کچھ تامل ہو۔ یزید علیہ ما علیہ کو اس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کر دینا بڑے دل گردے کا کام ہے اور یہ محمود عباسی جیسے لوگوں ہی کو زیب دیتا ہے۔ تاہم یہی بات کیا کم ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور خلافت کے انعقاد کو بالکل جائز اور صحیح ثابت کرنے کے لیے عثمانی صاحب نے یزید کی شہرت و سیرت کو، جو واقعہ کربلا کی وجہ سے داغدار ہو گئی تھی، اور جھوٹ سچ جو دھبے اس پر لگ گئے تھے انہیں صاف کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اللہ بھرپور جزا دے۔

ابن خلدون کا موقف یزید کی ولی عہدی کو جائز ثابت کرنے کے لیے ازالۃ الخفاء اور الاحکام السلطانیہ کے علاوہ مولانا محمد تقی صاحب نے مقدمہ ابن خلدون ص ۲۷۶ - ۲۷۷، دار الکتاب اللبنانی، بیروت کا حوالہ بھی دیا ہے۔ میں اس سلسلۂ بحث کے آغاز ہی میں بیان کر چکا ہوں کہ علامہ ابن خلدون نے امامت و خلافت، انقلاب الخلافۃ الی الملک (خلافت کی ملوکیت میں تبدیلی)، اور بیعت و ولایتِ عہد وغیرہ موضوعات پر جو کچھ لکھا ہے، اس کے متعدد پہلو محلِ نظر ہیں۔ تاہم ولی عہدی کے مسئلے پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ مذکورہ بالا اقوال سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے اور اس سے بھی یہ دعویٰ صحیح ثابت نہیں ہوتا کہ اس بات پر اجماع

منعقد ہو چکا ہے کہ خلیفۂ وقت اگر بیٹے یا کسی رشتہ دار میں اپنے خیال کے مطابق شرائطِ خلافت پاتا ہے تو اُسے ولی عہد بنا سکتا ہے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں: ولا یتّہم الامامُ فی ھذا الامر وان عہدَ الی ابیہ او ابنہ لانہ مامون علی النظر لھم فی حیاتہ فاولی ان لا یحتمل فیھا تبعۃ بعد مماتہ خلافاً لمن قال باتھامہ فی الولد والوالد اولمن خصص التہمۃ بالولد دون الوالد۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ابن خلدون اس کو تسلیم کر رہے ہیں کہ ایک قول کے مطابق بیٹے اور باپ دونوں کے حق میں ولایت عہد موجبِ تہمت ہے اور دوسرے قول کے مطابق صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا باعثِ اتہام ہے۔ البتہ ابن خلدون ان اقوال سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی رائے یہ بیان کر رہے ہیں کہ ایسا کرنے میں امام متہم نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر امام کا زندگی میں اُن سے حُسنِ سلوک قابلِ اعتراض نہیں تو زندگی کے بعد کیوں ہو؟ لیکن یہ ایک ایسا استدلال ہے جس کی کمزوری واضح ہے۔ زندگی میں خلیفہ اگر اپنے عزیزوں کا لحاظ رکھے، تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد انہیں ولی عہد بھی بنا جائے؟ اعزّہ کو مناصب دینا تو زندگی میں بھی مامون عن التہمت نہیں، چہ جائیکہ مرنے کے بعد ہو، جبکہ ولی عہدی کا مجوّز خلیفہ ہی نہیں رہتا۔ اس مقام پر یزید کی ولی عہدی کے متعلق ابن خلدون نے جو کچھ مزید لکھا ہے اُسے عثمانی صاحب نے آگے چل کر خود ہی نقل کر دیا ہے، اور وہ یہ ہے:

"حضرت معاویہؓ کے دل میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا جو داعیہ پیدا ہوا، اس کی وجہ امت کے اتحاد و اتفاق کی مصلحت تھی۔ بنو امیّہ کے اہلِ حل وعقد اس پر متفق ہو گئے تھے، کیونکہ وہ اس وقت اپنے علاوہ کسی اور پر راضی نہ ہوتے اور اس وقت قریش کی سربرآوردہ جماعت وہی تھی اور اہلِ ملت کی اکثریت انہی میں سے تھی۔ اس لیے حضرت معاویہؓ نے اس کو ترجیح دی اور افضل سے غیر افضل کی طرف رجوع کیا۔ حضرت معاویہؓ کی عدالت اور صحابیت اس کے سوا کچھ اور گمان کرنے سے مانع ہے۔"

ابن خلدون اسی سے ملتے جلتے الفاظ میں یزید کی ولی عہدی کی توجیہ اس سے ذرا پہلے (اٹھائیسویں فصل) میں بھی کر چکے ہیں، جہاں انہوں نے خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہونے پر بحث کی ہے۔ وہاں لکھتے ہیں:

وکذالك عہد معاویۃ الی یزید خوفاً	اسی طرح معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد بنایا کیونکہ انہیں

من افتراق الکلمۃ بما کانت بنو امیۃ لم یرضوا تسلیم الامر الی من سواھم فلو قد عہد الی غیرہ اختلفوا معہ ان ظنھم کان بہ صالحاً

افتراق پیدا ہونے کا خوف تھا۔ وجہ یہ تھی کہ بنو امیہ اپنے سوا کسی دوسرے کو حکومت سپرد کرنے پر راضی نہ تھے۔ پس اگر امیر معاویہؓ کسی دوسرے کو ولی عہد بناتے تو بنو امیہ اس سے اختلاف کرتے اگرچہ وہ ان کے بارے میں نیک گمان رکھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بادشاہت و ملوکیت، خلافت کی ملوکیت میں تبدیلی اور امامت و ولایت وغیرہ کی بحثوں میں ابن خلدون نے جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ملوکیت بشری اجتماع اور انسانی معاشرت کے لیے ایک ناگزیر ادارہ ہے اور قہر و تغلب اس کی لازمی خصوصیت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی آمد پر یہی ملوکیت خلافت کے قالب میں ڈھل جاتی ہے اور دینی مقاصد کے لیے استعمال ہوتی ہے مگر ایک کارفرما طاقت یعنی عصبیت خلافت کی پشت پر موجود رہتی ہے۔ چنانچہ بعثتِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے بعد جب نوبت حضرت معاویہؓ تک پہنچی تو یہی ملوکیت و عصبیت بنو امیہ میں منتقل اور مرتکز ہو گئی جو ان کے عصبیہ اور زور آور ہونے کا ایک ناگزیر بلکہ فطری تقاضا تھا۔ باقی جو کچھ ہوا وہ اس صورتِ حال کے قدرتی نتائج تھے اور یزید کی ولی عہدی اور بیعت منجملہ اُن کے ایک ہے۔ مَیں اس وقت اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہتا کہ شرعی، تاریخی اور عقلی لحاظ سے واقعات کی یہ تعبیر و توجیہ کس حد تک درست ہے۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب بنو امیہ اول و آخر اتنی جمعیت و عصبیت کے مالک تھے، "قریش کی سربرآوردہ جماعت بھی وہی تھے اور اہلِ ملت کی اکثریت بھی انہی میں سے تھی" تو پھر اس افتراق اور عدمِ اتحاد و اتفاق کے خوف کی کیا معقول وجہ ہو سکتی تھی جو یزید کو ولی عہد بنانے کا باعث بنا؟ ظاہر ہے کہ جب ایک قبیلہ قابو یافتہ و مستولی ہے، خلیفہ بھی اسی میں سے ہے، خلیفۂ وقت کا صاحبزادہ بھی پابندِ صوم و صلوٰۃ ہے اور دنیوی نجابت اور انتظامی صلاحیت کی بنا پر خلافت کا اہل ہے" تو پوری ملت اُسے والد کے بعد آپ سے آپ خلیفہ بنا لے گی اور دو چار آدمی اگر مخالف ہوئے بھی تو وہ کیا تیر مار لیں گے؟ ایسی مخالفتِ شاذہ نہ موجبِ تشتت و افتراق ہو سکتی ہے، نہ انعقادِ خلافت میں قادح بن سکتی ہے۔

پھر عثمانی صاحب اسی مقام پر حافظ ابنِ کثیر کے حوالے سے یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ "جب حضرتِ معاویہؓ

نے حضرت حسنؓ سے صلح کی تھی تو انہی کو ولی عہد بھی بنایا تھا"۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اُس وقت بنو اُمیہ اس پر کیسے راضی ہو گئے تھے؟ یا پھر وہ بات بھی صحیح ہے کہ یزید ہی نے حضرت حسنؓ کو زہر دلا کر اس واقعی یا موہوم افتراق کو رفع کیا تھا؟[1] واقعہ یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی نے اس کی "خلافت" کی راہ ہموار کر کے افتراق کو گھٹانے کے بجائے اور زیادہ بڑھا دیا۔ بالفرض اگر عثمانی صاحب یا علامہ ابن خلدون کی یہ بات صحیح بھی ہو کہ بنو امیہ اپنے سوا کسی دوسرے کو حکومت سپرد کرنے پر راضی نہ تھے، تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارے قبیلۂ بنی اُمیہ میں بس یزید ہی سب کی نگاہوں میں کھُبا ہوُا تھا۔ حضرت عثمانؓ جن کے قصاص کا مطالبہ لے کر امیر معاویہؓ اُٹھے تھے، خود ان کے صاحبزادے کا واقعہ جو متعدد تاریخوں میں منقول ہے اور جسے عثمانی صاحب نے بھی اس بحث میں نقل کیا ہے، یہ ہے کہ یزید کو ولی عہد بنانے پر حضرت سعیدؓ بن عثمان نے امیر معاویہؓ سے شکایت کی کہ آپ نے اپنے

---

[1] متعدد علماء نے بصراحت یہ الزام یزید کے خلاف عائد کیا ہے جس کی اہلیتِ خلافت کا بلند بانگ دعویٰ عثمانی صاحب کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالحق حقانی فرماتے ہیں: "حضرت حسنؓ کے بعد امیر معاویہؓ حکومت کرتے رہے۔ بعد ان کے ان کا بیٹا یزید بدبخت جانشین ہوُا۔ اس نالائق دنیا دار نے اس خوف سے کہ مبادا حضرت حسن خلافت کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر ہیں، ان کے روبرو مجھے کون پوچھے گا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا اور چند سال بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید کرا دیا۔ اس کم بخت کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے؟" حاشیے میں فرماتے ہیں: "معاویہ حضرت عُلیؓ کی خلافت کو تسلیم نہ کر کے آپ خلیفہ ہونا چاہتے تھے" (عقائدالاسلام طبع نہم ص۲۳۲ مطبوعہ ۱۳۵۰ھ دہلی، دلّی پرنٹنگ ورکس)۔ یہ بھی واضح رہے کہ "عقائدالاسلام" کے آغاز میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد انور شاہ صاحب، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دیوبند، مفتی کفایت اللہ صاحب کی تقاریظ موجود ہیں۔ سنن ابی داؤد، کتاب الآداب، ابواب اللباس کی جو حدیث ترجمان کی گزشتہ ماہانہ قسط میں نقل کی گئی ہے جس میں حضرت حسنؓ کی موت پر امیر معاویہؓ کے ردِ عمل کا ذکر ہے، اس حدیث کی شرح میں مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی نے بھی عون المعبود میں یہ لکھا ہے وکان وفاۃ الحسن رضی اللہ عنہ مسموما سمّتہ زوجتہ جعدۃ باشارۃ یزید بن معاویۃ سنۃ تسع واربعین او بعدھا (حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات زہر خورانی کے ذریعے سے ہوئی۔ آپ کی بیوی جعدہ نے یزید کے اشارے سے آپ کو زہر دے دیا، یہ ۴۹ھ یا اس کے بعد کا واقعہ ہے۔) ابن حجر مکی، الصواعق المحرقہ ص ۸۶ پر فرماتے ہیں کہ یزید نے جعدہ کو ایک لاکھ درہم دے کر حضرت حسنؓ کو زہر دلوایا۔

بیٹے کو ولی عہد بنا دیا حالانکہ میرے والدین اس کے والدین سے اور میں اس سے افضل ہوں۔ انہی مؤرخین کا بیان یہ بھی ہے کہ امیر معاویہؓ نے انہیں راضی کرنے کے لیے خراسان کا والی بنا دیا۔ اسی ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ دعویٰ اور یزید کی ولی عہدی کی یہ توجیہ کہاں تک صحیح ہے کہ بنو امیہ میں صرف یزید ہی سب کی آنکھوں کا تارا تھا اور اگر اُسے ولی عہد نہ بنایا جاتا تو اہلِ ملت انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتے۔ ابن خلدون تو دنیا سے اُٹھ گئے، کاش کہ عثمانی صاحب ہی ہمیں بتا دیں کہ بنو امیہ کے وہ کون کون سے ممتاز افراد تھے جو یزید ہی کو ولی عہد بنا دینے پر مصر تھے؟

پھر ابن خلدون کی یہ بات بھی عجیب ہے کہ بنو امیہ کے "اھل الحل والعقد" یزید کی ولی عہدی پر متفق تھے۔ خاندان بنی امیہ کے افراد پر آیا اُن اہلِ حل وعقد یا اہلِ شوریٰ کا اطلاق کسی طرح بھی درست ہے جنہیں انتخابِ خلیفہ میں دخل ہو سکتا ہے اور جو پوری امت کی نمائندگی کر سکتے تھے؟ دوسرے افراد تو درکنار خود امیر معاویہؓ کا شمار خلیفہ بننے سے پہلے اہلِ حل وعقد میں نہیں ہوتا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء (مطبع بریلی ۱۲۸۶ھ) میں عبد الرحمٰن اشعری فقیہ شام کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ سے فرمایا جبکہ وہ حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ وہ خلافت کو چھوڑ کر از سرِ نو شوریٰ بلائیں اور امیر معاویہ کو بھی شریک کریں:

من بایعه خیر ممن لم یبایعه وأی مدخل لمعاویة فی الشوریٰ وهو من الطلقاء الذین لا یجوز لهم الخلافة وهو وابوه رؤوس الاحزاب فندما علی مسیرهما وتابا بین یدیه[1]

جن لوگوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کی ہے وہ اُن سے بہتر ہیں جنہوں نے نہیں کی۔ اور معاویہؓ کا شوریٰ میں کیا دخل ہے؟ وہ تو طلقاء میں سے ہیں جن کے لیے خلافت جائز نہیں اور وہ اور ان کے والد جنگِ احزاب کے سپہ سالار تھے۔ پس وہ دونوں اصحاب اپنی روش پر نادم ہوئے اور وہیں تائب ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن خلدون کا یہ نظریہ تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہے کہ بنو امیہ کسی ایسی زبردست

---

[1] یہی قول آگے ازالۃ الخفاء صـ۱۱۱ پر بھی موجود ہے۔

جمعیت کے مالک تھے کہ اگر یزید کے بجائے کسی اور کو ولی عہد یا خلیفہ بنایا جاتا تو وہ اس کی خلافت کو چلنے نہ دیتے۔ یہ تو بالکل وہی بات ہے جو بعض اہلِ تشیع نے معترضانہ رنگ میں خلافتِ عثمانی کے بارے میں کہی ہے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کو محض اس لیے خلیفہ بنایا گیا کہ ان کا قبیلہ طاقتور تھا۔ امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ (ج ۳، ص ۱۶۶) میں اس نظریے پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے:

کان عبد الرحمٰن من ابعد الناس عن الاغراض مع انہ شاور جمیع الناس ولم یکن لبنی امیۃ شوکۃ ولا کان فی الشوریٰ منہم احد غیر عثمان۔	عبدالرحمٰنؓ بن عوف (جن کے سپرد خلیفہ کا نام تجویز کرنا تھا) لوگوں میں سب سے زیادہ بے غرض تھے، پھر انہوں نے تمام مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ بنوامیہ کو کوئی طاقت حاصل نہ تھی اور حضرت عثمانؓ کے سوا ان میں سے کوئی شوریٰ میں نہ تھا۔

ولی عہدی کے بارے میں فقہاء کا اصل مسلک میری اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب، امام ماوردی اور قاضی ابو یعلیٰ اس بات کے ہرگز قائل نہیں ہیں کہ باپ اگر بیٹے کو نیک نیتی سے خلافت کا اہل سمجھے تو اُسے ولی عہد بنا سکتا ہے اور اس کا یہ فعل بالکل جائز و معتبر ہے۔ "نیک نیتی" کے نقطہ کی گردان تو عثمانی صاحب بلاوجہ کر رہے ہیں۔ علمائے مذکورین میں سے کسی نے نیتِ فاعل سے بحث نہیں کی، نہ اس کا موقع و محل تھا۔ شاہ صاحب نے تو ولایتِ عہد کے مسئلے سے براہِ راست تعرض نہیں کیا، البتہ انہوں نے انتخابی خلافت اور استیلائی خلافت کا فرق واضح کر دیا ہے۔ اگر ولایتِ عہد کا کوئی تعلق انعقادِ خلافت سے نہیں ہے، جیسا کہ عثمانی صاحب نے تسلیم کیا ہے، تو شاہ صاحب نے جو طریقہ ہائے انعقادِ خلافت بیان کیے ہیں، ان میں سے کسی کا انطباق ولی عہد بنانے پر نہیں ہو سکتا۔ الماوردیؒ اور ابو یعلیٰ کی بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انعقادِ خلافت کا معیاری طریقہ بیعتِ اہلِ اختیار ہے اور ولی عہدی کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک جو متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ ولی عہد شرائطِ خلافت کو بہترین حیثیت میں پورا کرتا ہو۔ دوسری شرط جو جمہورِ امت کے نزدیک لازم ہے وہ یہ کہ ولی عہد اگر بیٹا ہو تو اہلِ شوریٰ سے مشورہ لیا جائے اور وہ بھی تسلیم کریں کہ بیٹا پوری امت میں خلافت کے لیے سب سے زیادہ اہل و مستحق ہے[1]۔ خلافت

۱؎ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

کی شرائط کا محض کسی درجے میں پایا جانا اور والد کا بیٹے کو اہل سمجھ لینا کافی نہیں ہے۔ ابن خلدونؒ نے بلاشبہ یزید کی ولی عہدی کو جائز کہا ہے اور اس کے ناگزیر و حق بجانب ہونے کا فلسفہ بھی بیان کیا ہے مگر انہوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اس مسئلے میں تین مذاہب ہیں جن میں دو کے نزدیک یہ فعل موجب تہمت ہے۔

مولانا مودودی کی تصریحات اس سلسلۂ بحث میں یہ بات بھی قابلِ وضاحت ہے کہ مولانا عثمانی صاحب نے مولانا مودودی کے وہ دو فقرے تو نقل کر دیئے ہیں کہ "یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی ۔ ۔ ۔" لیکن اپنا موقف و مدعا واضح کرنے کے لیے "خلافت و ملوکیت" میں بعض دوسری عبارتیں جو انہوں نے لکھی تھیں، انہیں نقل نہیں فرمایا۔ مثال کے طور پر اس کتاب کے صفحہ ۱۴۱ پر یہ عبارت موجود ہے:

"خلافت علی منہاج النبوۃ کے بحال ہونے کی آخری صورت صرف یہ باقی رہ گئی تھی کہ حضرت معاویہؓ یا تو اپنے بعد اس منصب پر کسی شخص کے تقرر کا معاملہ مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیتے، یا اگر قطعِ نزاع کے لیے اپنی زندگی ہی میں جانشینی کا معاملہ طے کر جانا ضروری سمجھتے تو مسلمانوں کے اہل علم و اہلِ خیر کو جمع کر کے انہیں آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے دیتے کہ ولی عہدی کے لیے امت میں موزوں تر آدمی کون ہے۔ لیکن اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لیے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انہوں نے اس امکان کا بھی خاتمہ کر دیا۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۳۲۶ پر "یزید کی ولی عہدی کا معاملہ" کے زیرِ عنوان یہ عبارت درج ہے:

"سب سے زیادہ حیرت مجھے اُس استدلال پر ہے جس سے یزید کی ولی عہدی کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض حضرات یہ تو مانتے ہیں کہ اس کارروائی سے برے نتائج برآمد ہوئے۔

لہ یزید کی ولی عہدی کے لیے بیعت اُس وقت لی گئی جبکہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت سعیدؓ بن زید زندہ تھے اور دونوں اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ پھر چاروں خلفائے راشدین کے صاحبزادگان (حضرت عبدالرحمٰن حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سعید، حضرات حسنینؓ) بقید حیات تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سعید بن العاص جیسے بزرگ موجود تھے۔ ان سب کو چھوڑ کر کیا یزید محض اس وجہ سے خلافت کے لیے اہل یا اہل تر تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کا لڑکا تھا اور باپ کی نگاہ میں ولایت عہد کے لیے موزوں تھا؟

مگر وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اگر یزید کو جانشین نامزد کر کے اپنی زندگی ہی میں اس کے لیے بیعت نہ لے لیتے تو ان کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی اور قیصرِ روم چڑھ آتا اور اسلامی ریاست ہی کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس لیے ان بدترین نتائج کی بہ نسبت وہ نتائج کمتر ہی بُرے ہیں جو یزید کو ولی عہد بنانے سے رُونما ہوئے تھے۔ مَیں پوچھتا ہوں کہ اگر فی الواقع حضرت معاویہؓ کا خیال یہ تھا کہ ان کے بعد کہیں جانشینی کے لیے امت میں خانہ جنگی برپا نہ ہو، اور اس بنا پر وہ یہ ضرورت محسوس فرماتے تھے کہ اپنی زندگی ہی میں اس کا فیصلہ کر کے اپنے ولی عہد کے لیے بیعت لے لیں، تو کیا وہ اس نہایت مبارک خیال کو عمل میں لانے کے لیے یہ صورت اختیار نہ فرما سکتے تھے کہ بقایائے صحابہ اور اکابر تابعین کو جمع کرتے اور ان سے کہتے کہ میری جانشینی کے لیے ایک موزوں آدمی کو میری زندگی ہی میں منتخب کر لو اور جس کو وہ لوگ منتخب کرتے، اس کے حق میں سب سے بیعت لے لیتے؟ اس طریقِ کار میں آخر کیا امر مانع تھا؟ اگر حضرت معاویہؓ یہ راہ اختیار کرتے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ خانہ جنگی پھر بھی برپا ہوتی اور قیصرِ روم پھر بھی چڑھ آتا اور اسلامی ریاست کا خاتمہ کر ڈالتا؟"

مولانا مودودیؒ نے جب یہ عبارتیں تحریر کی تھیں، اُس وقت تک "البلاغ" کی تنقید منظرِ عام پر نہیں آئی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں "البلاغ" کے اعتراضات کا اصولی اور جامع جواب موجود ہے۔ مدیر "البلاغ" نے جب لکھنا شروع کیا تو ان کے سامنے یہ عبارتیں موجود تھیں اور انہیں سامنے رکھتے ہوئے ہی انہوں نے ردو کد شروع کی مگر افسوس کہ انہوں نے انصاف و رواداری سے کام نہ لیا اور ولی عہدیٔ یزید کے مسئلے میں نیک نیتی و بدنیتی اور جواز و عدمِ جواز پر غیر ضروری اور غیر متعلق بحث سے اصل موضوع کو اُلجھانے کی کوشش کی۔ کوئی غلط کام اگر پوری نیک نیتی سے کیا جائے تو کیا اس کی غلطی صحت میں بدل جائے گی یا اس کے نتائج واقع اور رونما نہ ہوں گے؟ کوئی عالم یا فقیہ اگر دو تین اشکالِ فعل کے بارے میں یہ لکھ دے کہ یہ بھی جائز اور وہ بھی جائز و واقع یا قابلِ نفاذ ہے تو کیا دونوں یکساں طور پر مباح یا موجبِ ثواب ہوں گی؟ مثال کے طور پر طلاق دینا جائز تو ہے مگر اس کی بعض صورتیں مباح، بعض مستحب اور بعض ممنوع ہیں۔ طلاق کا مشروع و مسنون موقع و محل اور احسن طریقہ یہ ہے کہ کسی معقول وجہ شرعی کی بنا پر عورت کو حالت طہر میں وطی کیے

بغیر ایک طلاقِ رجعی دی جائے حتیٰ کہ عدت گزر جائے۔ اب فرض کیا ایک شخص بلا وجہ حیض میں بیوی کو تین طلاق دفعۃً دے دے تو یہ مذاہب اربعہ بلکہ ظاہریہ کے نزدیک بھی مغلظہ ہو کر واقع اور نافذ تو ہو جائیگی مگر کیا اس کا مجرد جواز و نفاذ اسے مستحسن یا اعتراض سے بالاتر بنا دے گا؟ طلاق سے بھی واضح تر مثال نماز کی ہے۔ نماز باجماعت ہر مسلمان کی امامت میں ادا کرنا جائز ہے۔ اس پر پوری امت کا اتفاق و اجماع ہے۔ ہر بر و فاجر کی اقتداء میں نماز کا جواز خود حدیث نبوی سے ثابت ہے، اس لیے اسے جائز ثابت کرنے کے لیے کسی فقیہ کا قول پیش کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنا گھیراؤ کرنے والوں کے پیچھے بھی نماز پڑھنے کی اجازت اہل مدینہ کو دے دی تھی۔ مروان، حجاج اور یزید جیسے لوگوں کے پیچھے جلیل القدر صحابہؓ کرام نماز ادا کرتے تھے۔ لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب امامتیں یکساں طور پر جائز ہیں؟ پھر تو ہمارے مفتی صاحبان کو چاہیے کہ صاف فتویٰ صادر فرمائیں کہ امامتِ صغریٰ و امامت کبریٰ کے لیے ہر کس و ناکس کو تجویز کر دینا بالکل جائز اور صحیح ہے۔

(باقی)

—— قوموں کے عروج و زوال —— انقلابات عالم کے داخلی اور خارجی محرکات — تہذیب و تمدن کی ترقی و انحطاط کے بارے میں مغربی مفکرین شپنگلر، ہیگل اور مارکس نے جو کچھ کہا ہے اس کی فکر انگیز تصریح اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا تجزیہ و تنقید اس کے علاوہ اسلامی فلسفہ تاریخ کی تشریح و توضیح

عبد الحمید صدیقی کی انگریزی کتاب

A PHLOSOPHICAL INTEPRETATION OF HISTORY

تاریخ کی فلسفیانہ تعبیر

میں ملاحظہ فرمائیں قیمت دس روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ ترجمان القرآن - اچھرہ - لاہور